© rasailojaraid.com

مذاکرہ

دینی مدارس کا نظامِ تعلیم

مرتبہ: خرم مراد

نئی صلیبی جنگ، دینی مدارس کے دروازوں پر (مئی ۹۵) میں ہم نے مدارس کے خلاف حکومت پاکستان اور مغربی حکومتوں کی مہم اور اس کے اسباب کا مختصر جائزہ پیش کیا تھا۔ ملت کی طرح مدارس بھی بظاہر اس معرکہ آرائی کے لیے تیار نظر نہیں آتے۔ بر در مند صاحب نظر جانتا ہے کہ دونوں ایک زبردست قوتِ اجتہاد و جہاد کے ذریعے اصلاح، تغیر و تبدل اور تعمیرِ نو کر کے ہی اس معرکے میں کامیابی کی توقع کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے مدارس میں تغیر و اصلاح کے موضوع پر ہم قدیم و جدید علما و مفکرین کے افکار کو ایک مذاکرے کی صورت میں مرتب کر کے قارئین کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ یہ اعتراف ضروری ہے کہ مختصر سے صفحات میں ایک مذاکرہ جامع نہیں ہو سکتا' اور یہ بھی کہ اس مذاکرے میں بیشتر بحث کا محور نصابِ تعلیم ہے' جبکہ نظامِ تعلیم کے دوسرے پہلو بھی اہم ہیں۔ (مدیر)

۱ ۔ مولانا قاسم نانوتوی: ترجمانی' سید مناظر احسن گیلانی' سوانح قاسمی، ج ۲

حد سے زیادہ تاریک اور مہیب مستقبل کا' جس سے اچانک سرزمینِ ہند میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دوچار ہو گئی تھی' مقابلہ کرنے کے لیے جو میدان میں اترا تھا' وہ جو کچھ ہو سکا کر گزرا۔ یوں اسلامی ہند کی تاریخ میں ایک مستقل دینی و علمی تحریک کی بنیاد پڑ گئی۔ اپنے بانی کے نام کی نسبت سے اس کی تعبیر چاہیے کہ "قاسمیت" کے نام سے کی جائے۔

دینی تعلیم کا مستقل نظام' اس تحریک کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو ہے' جس کی بنیاد دارالعلوم دیوبند پر قائم ہے۔ مگر جس تعلیمی نظام سے مغرب نے دنیا کو روشناس کرایا ہے' اس میں سے جماعت بندی' امتحان' خصوصاً تحریری امتحان' طلبہ کی حاضری کے رجسٹر اور از قبیل دوسرے لوازم و خواص کے ایک بڑے حصے کو اس دارالعلوم میں نہ صرف قبول کر لیا گیا ہے' بلکہ پوری قوت و احتیاط کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیم کی ان جدید خصوصیات کی نگرانی بھی کی جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ دیوبند میں عصری یونی ورسٹیوں کی خصوصیات کے شریک ہونے کے اسباب کیا ہوئے؟ کیونکہ مسلمانوں میں تعلیم کا جو طریقہ مروج تھا' اس میں ہم ان جدید خصوصیتوں کو نہیں پاتے' افادیت اور عدم افادیت کی بحث جداگانہ ہے۔

[جہاں تک میرا خیال ہے]' ہندستان کی نئی حکومت نے جو عربک کالج دلی میں قائم کیا' اس کے صدر مولانا مملوک العلی سے بانی دارالعلوم نے تعلیم حاصل کی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کی اجتماعی شیرازہ بندی' اور ان کو دینی زندگی سے منحرف کرنے کی کوششوں کے مقابلے کے لیے دینی علوم کی عمومیت کے لیے کیا کرنا چاہیے' اور نئے حالات کی رو سے تعلیم وتدریس کے نظام میں کن اصلاحات کی ضرورت ہے' ان مسائل کے حل کے لیے دلی عربک کالج کے ماحول میں "نظریات" کو "عملی قالب" میں دیکھنے کے مواقع آپ کو ملے۔ ایسی صورت میں' کوئی وجہ نہ تھی کہ اجتماعی درس وتدریس کے جس طریقے کا آپ مشاہدہ فرما رہے تھے' اس سے استفادے کی تدبیریں آپ کے دماغ میں نہ آئی ہوں۔

حضرت نے بطور وصیت نامے کے ان بنیادی اصولوں کو قلم بند فرمایا جن پر آپ نے اس دارالعلوم کی بنیاد قائم فرمائی تھی' اور وصیت فرمائی کہ آیندہ جن لوگوں کے ہاتھوں میں دارالعلوم کے نظم ونسق کی باگ آئے' وہ ان اصولوں کی روح کی حفاظت کے ذمہ دار ہوں گے۔

اسی تحریر خاص میں ایک دفعہ ان الفاظ میں بھی ہے کہ "دارالعلوم کا تعلق عام مسلمانوں سے زائد سے زائد ہو' تاکہ یہ تعلق خود بخود مسلمانوں میں ایک نظم پیدا کرے' جو ان کو اسلام اور مسلمانوں کی اصل شکل پر قائم رکھنے میں معین ہو"۔ گویا دارالعلوم کا مسلمانوں سے "جمہوری تعلق ہو' جو ایک کو دوسرے کا محتاج بنائے رکھے"۔ اسی بنیاد پر آپ آمدنی کے کسی مستقل ذریعے کے قائم کرنے کے خلاف تھے کہ' حکومت یا کسی رئیس کی دوامی امداد' یا مستقل جائداد' کی صورت میں عام مسلمانوں سے احتیاجی رشتہ دارالعلوم کا باقی نہ رہے گا۔

اسی طرح' دینی زندگی کی حفاظت کے لیے اس جدید تعلیمی نظام میں' حضرت کے نزدیک' ہمارے قدیم علما کی تدریس وتعلیم کا انفرادی طریقہ قطعاً ناکافی تھا' اور مشاہدے سے اس کی تصدیق بھی ہو رہی تھی۔ فرمایا کہ' کیفیت میں ترقی تو اسی طریقے سے ہوتی ہے' لیکن علم کی وسعت اور علما کی تعداد بڑھانے کی واحد صورت یہی ہے کہ درس وتعلیم کے اجتماعی طریقے کو اختیار کیا جائے۔ اس لیے آپ ایسا نظام قائم کرنا چاہتے تھے جس میں حتی الوسع تعلیم کے عصری لوازم اور تقاضوں کو بھی سمونے کی صورت نکالی جائے۔

جس زمانے میں [آپ ان نظریات کے لیے جگہ ڈھونڈ رہے تھے]' آپ اندازہ ہی نہیں کر سکتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ ہمارے قدیم علما کے لیے ان چیزوں ہی کی نہیں بلکہ ان کے تصور کی بھی کیا نوعیت تھی۔ ان مولویوں کے نزدیک علم کی کیفیت کا مسئلہ تھا' جبکہ آپ کے لیے کیفیت سے زیادہ کمیت اور مقدار کا مسئلہ اہم تھا۔

نظام تعلیم میں سب سے پہلا مسئلہ نصاب تعلیم کا ہے۔ جو کچھ پڑھایا پڑھایا جاتا ہے اس کو دیکھ کر عام رائے یہی قائم ہو سکتی ہے کہ دارالعلوم کی تاریخ میں نصاب تعلیم کے مسئلے پر شاید کبھی غور نہیں کیا گیا' من و عن درس نظامیہ کا نصاب قبول کر لیا گیا' اور زمانے کے جدید تقاضوں کی طرف سے چشم پوشی اختیار کی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ جو دیکھا جا رہا ہے اس کو دیکھ کر کہنے والے آخر اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ لیکن حضرت کا نقطہ نظر اس باب میں کیا تھا؟ اس کو پیش کرنے سے پہلے چاہیے کہ ایک بات سمجھ لی جائے۔

تعلیمی نصاب کے متعلق سب سے زیادہ اہم سوال یہی ہے کہ یورپ کے جن جدید علوم و فنون اور زبانوں سے آگاہی حاصل کیے بغیر عصر حاضر میں امتیاز و وقار حاصل نہیں کیا جا سکتا' ان کا پیوند دینی علوم سے کیسے قائم کیا جائے۔

اب تو علما کی اکثریت اس سوال کی اہمیت کو محسوس کرنے لگی ہے' لیکن اس مسئلے کا حل پھر بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم کی کتابیں بھی نصاب میں شریک کرنی چاہئیں؟ یا جدید علوم و فنون سے فارغ ہونے کے بعد اسلامی علوم کے سیکھنے کا موقع فراہم کیا جائے۔ ایک تیسرا احتمال بھی ہے۔ یعنی پہلے مسلمان بچوں کو دینی علوم سے کم از کم وقت میں قدر ضرورت کی حد تک واقف بنا لینے کے بعد ان کو جدید علوم و فنون کی یونی ورسٹیوں میں شریک کیا جائے۔

اب دیکھیے کہ حضرت کا زاویہ نگاہ اس باب میں کیا تھا:

فارغ طلبہ کو سند و انعام دینے کے لیے ۹ جنوری ۱۸۷۴ کو ایک جلسہ دیوبند میں منعقد ہوا تھا۔ "کانووکیشن" طرز کا یہ جلسہ تھا۔ ایک خصوصیت اس جلسے کی یہ بھی نظر آئی کہ فارغ ہونے والے طلبہ سے علم کے کسی خاص موضوع پر امتحانی مقالے لکھوائے گئے تھے۔ یعنی یونی ورسٹیوں کے آخری مدارج میں جیسے مقالے لکھوائے جاتے ہیں' دارالعلوم میں تقریباً ایک صدی پہلے یہ سنت جاری ہو چکی تھی' جو افسوس ہے کہ بعد کو جاری نہ رہی۔

اسی جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا: "اب ہم اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے کہ درباب تحصیل 'یہ طریقہ خاص کیوں تجویز کیا گیا۔ یعنی 'علوم جدیدہ کو کیوں نہ شامل کیا گیا۔ منجملہ دیگر اسباب کے 'بڑا سبب اس بات کا تو یہ ہے کہ تربیت عام ہو' یا خاص 'اس پہلو کا لحاظ چاہیے جس کی طرف سے ان کے کمال میں رخنہ پڑا ہو۔ سو اہل عقل پر روشن ہے کہ آج کل تعلیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علوم جدیدہ تو بوجہ کثرتِ مدارسِ سرکاری اس ترقی پر ہے کہ علوم قدیمہ کو سلاطینِ زمانہ سابق میں بھی یہ ترقی نہ ہوئی ہوگی۔ ہاں 'علوم نقلیہ (یعنی خالص دینی و اسلامی علوم) کا یہ تنزل ہوا کہ ایسا تنزل بھی کسی کارخانے میں نہ ہوا ہو گا۔ ایسے وقت میں رعایا کو مدارسِ علوم جدیدہ کا بنانا تحصیلِ حاصل نظر آیا۔ للذا صرف بجانب علومِ نقلی (یعنی خالص اسلامی و دینی علوم)' اور نیز ان علوم کی طرف جن سے استعداد علوم مروجہ اور استعداد علوم جدیدہ یقیناً حاصل ہوتی ہے' (انعطاف) ضروری سمجھا گیا"۔

یعنی' مسلمان جس علم سے محروم رہ جانے کے بعد مسلمان باقی نہیں رہ سکتے' اور نئی حکومت جن علوم کی سرپرستی سے صرف دست بردار ہی نہیں ہوگئی بلکہ اس کے پیدا کیے ہوئے ماحول میں وہ زبوتی کے آخری حدود تک پہنچ چکے ہیں' ان علوم کے احیا و بقا کا انتظام رعایا کی مالی امداد سے کیا جائے۔

خصوصی توجہ کا مستحق توجیہ کا دوسرا پہلو ہے۔ فرمایا کہ اس طرح "استعدادِ علومِ جدیدہ یقیناً حاصل ہوتی ہے"۔ یعنی' مروجہ نصاب کو پڑھ کر فارغ ہونے والوں میں علوم جدیدہ کے حاصل کرنے کی بھی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ گویا علومِ جدیدہ کی تعلیم کا مقدمہ بھی دینی تعلیم کا نصاب بن سکتا ہے۔ آگے نصاب میں علومِ نقلیہ اور علومِ دانش مندی کو داخل کرنے کا ذکر کرتے ہوئے' اپنے صحیح تعلیمی نصب العین کو حضرت نے واضح فرما دیا ہے: "اس کے بعد اگر طلبہ مدرسہ ہذا مدارس سرکاری میں جا کر علوم جدیدہ کو حاصل کریں تو ان کے کمال میں یہ بات زیادہ مؤید ثابت ہوگی"۔

غم و غصہ اور دل افگاری کے ان ایام میں' جب مسلمانوں کو ہندستان جیسی اقلیم کی شہنشاہیت سے محروم کر کے غلام بنا لیا گیا تھا' ان کے قلوب میں قدرتاً اس قوم کی طرف سے انتقام اور نفرت کی آگ بھری ہوئی تھی جس کے ہاتھوں اس سیاہ انجام تک وہ پہنچے تھے' ہر وہ چیز جو اس قوم کی طرف منسوب تھی فطرتاً اس سے مسلمان بھڑکتے تھے' انگریزی مدارس میں جو کچھ پڑھایا جاتا تھا اس کے تصور سے بھی وہ لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔ اسی ماحول میں حضرت یہی نہیں کہ انگریزی مدارس میں داخل ہو کر تعلیم پانے کے جواز کا فتویٰ دے رہے ہیں' بلکہ بغیر کسی جھجک کے مولویوں کی بھری ہوئی مجلس میں اعلان فرما رہے ہیں کہ سرکاری مدارس میں شریک ہو کر علوم جدیدہ کی تعلیم 'علمی کمالات کے چمکانے اور آگے بڑھانے میں مولویوں کے لیے مفید ثابت ہوگی۔

اللہ اللہ' ایک طرف اسی زمانہ میں مولویوں کی اکثریت یہ باور کیے بیٹھی تھی کہ جو کچھ انھوں نے پڑھ لیا ہے' اس کے سوا کوئی دوسری چیز ایسی نہیں ہے جسے سیکھا اور پڑھا جائے۔ دوسری طرف' ان ہی مولویوں کے درمیان' پکارنے والا پکار رہا ہے کہ مولویوں میں جو اپنے علمی کمالات میں مزید فروغ اور زیادہ وزن پیدا کرنا چاہتا ہے' چاہیے کہ یورپ کے جدید علوم کا مطالعہ کرے اور ان کی علمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبانوں کو سیکھے۔ یقیناً حضرت والا کے ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے۔ یورپ کے جدید علوم و فنون کی اہمیت و ضرورت کا انکار اس زمانے میں عموماً ہمارے علما نے اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ مگر دیوبندی نظام تعلیم کے امام اول و اکبر نے ٹھیک وقت پر ان جدید عصری علوم کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کر لیا تھا۔ بلکہ حضرت کے الفاظ سے آگاہ ہونے کے بعد بلاخوف تردید یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنا تعلیمی نظریہ یہی پیش کیا ہے 'کہ پہلے دینی و اسلامی علوم کا نصاب' دانش مندی کے فنون کے ساتھ ختم کرا لیا جائے' اس کے بعد علوم جدیدہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے سرکاری مدارس میں مسلمان بچوں کو داخل کیا جائے۔

اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے اپنے ہی زمانے میں تعلیم کے تمام پہلوؤں اور ان کے مختلف نتائج کا صحیح اندازہ کر لیا تھا۔ حکومت مسلّطہ کی امداد کی طرف غلطی سے بھی آپ دیکھنا شاید پسند نہیں فرماتے تھے' لیکن قدیم و جدید علوم کے پیوند کی مجوزہ ترتیب کی افادیت کے خیال نے اس حد کے توڑنے پر بھی آپ کو شاید مضطرو مجبور کر دیا تھا۔ سب سے بڑی رکاوٹ آپ کی تجویز کے عملی نفاذ میں میٹرک کے امتحان کے لیے عمر کی قید تھی۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ نے حکومت کو پکارا ہے: "کاش گورنمنٹ ہند بھی قید عمر طلبہ تو داخل کو اڑا دے"۔

شروع میں مدرسے کی تعلیمی مدت دس سال مقرر کی گئی تھی۔ لیکن دو سال گزرنے کے بعد حساب اور تعلیمی مدت وغیرہ پر نظر ثانی کرنے کے لیے ایک مجلس مقرر کی گئی۔ اس نے یہ ایک تجویز پیش کی کہ تمام کتب کے لیے چھ سال کی مدت مقرر کی جائے۔ یعنی حدیث و تفسیر و فقہ و اصول فقہ و فرائض کی وہ ساری کتابیں ختم ہو جائیں جن کے پڑھنے پڑھانے کا عام رواج اس زمانے میں تھا۔ دس سال کی عمر میں اس شش سالہ نصاب کو شروع کر کے سولھویں سال میں پڑھنے والے اس کو ختم کر سکتے تھے اور جدید علوم اور نئی علمی زبانوں کو سیکھ کر بائیس تیئیس سال کی عمر میں گریجویٹ بن جانے کا کافی موقع پیدا کر دیا گیا تھا۔ یعنی حضرت کی مجوزہ ترتیب کے مطابق باضابطہ مولوی اور مستند گریجویٹ بن جانے کا وقوعی امکان مسلمانوں کے سامنے آ گیا تھا۔

صحیح طور پر یہ بتانا مشکل ہے کہ اس تعلیمی نصب العین کے مطابق آیندہ عمل درآمد کی راہوں میں کیا رکاوٹیں پیش آئیں کہ اس قیمتی امکان سے مستفید ہونے کا موقع نہ مل سکا۔ پچاس سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ سیدنا الامام الکبیر کی اجل مسمّٰی پوری ہو گئی۔ اور میرا خیال تو یہی ہے کہ آپ کے تعلیمی نصب العین کے عملی نفاذ میں غالباً آپ کی وفات کا واقعہ زیادہ اثر انداز ہوا۔ ہر شخص کے بس کی بات یہ نہ تھی کہ جس زمانے میں مدرسہ قائم ہوا تھا' اور جو ماحول اس عہد کا تھا' اس میں اس تعلیمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نصب العین اور اس کے ثمرات و فوائد کا صحیح اندازہ لگا سکتا۔ روداد میں درج ہونے کے باوجود آپ کے اس تعلیمی نصب العین کا چرچا لوگوں میں بعد کو نہیں کیا گیا، حتیٰ کہ اس کا خیال بھی لوگوں میں باقی نہ رہا۔ سوچنے والے کی بات شاید سوچنے والے کے ساتھ ہی دفن ہو گئی۔

گو واضح اور صریح شہادت تو میرے پاس نہیں ہے، لیکن جو تبدیلیاں آئے دن اس شش سالہ نصاب میں ہوتی رہیں، ان کو دیکھ کر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس نصاب کو درس نظامیہ والے مولویوں نے اس لیے قبول نہیں کیا کہ ایک کے سوا فلسفے کی کوئی کتاب اس نصاب میں نہیں رکھی گئی تھی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ دارالعلوم کے نصاب میں درس نظامیہ کی ایک ایک معقولی کتاب اپنے تمام حواشی کے ساتھ بہ تدریج شریک ہوتی چلی گئی، جن کو خارج کر کے نصاب کو محدود مدت میں ختم کرانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ فارسی ادب کی کتابوں کا اضافہ کر کے، ملک کے قدیم تعلیم یافتہ طبقہ کی تسکین کا کام لیا گیا۔ ادب عربی کی نظم و نثر کو داخل کر کے جدید تعلیم یافتوں کے اس مطالبے کی تکمیل کی گئی تھی کہ عربی پڑھنے والے مولوی بھی عربی میں بول کر اور لکھ کر ہم کو دکھائیں۔ بہرحال اسی سہ عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ دارالعلوم کا تعلیمی نصاب کافی بوجھل اور عریض و طویل ہوتا چلا گیا۔ اسی نصابؑ کے ختم کرنے میں پڑھنے والوں کی عمر کا کافی حصہ صرف ہونے لگا۔ ظاہر ہے کہ لمبی لمبی داڑھیوں کے ساتھ سرکاری مدارس میں داخل ہو کر پڑھنے کی صورت ہی کیا تھی؟ اور یوں حضرت کا تعلیمی نصب العین صرف ایک تاریخی نصب العین بن کر رہ گیا۔ آخر اگر یہ نہ مانا جائے، تو پھر اس واقعہ کی کیا توجیہ کی جائے کہ یہ سب تبدیلیاں ہوتی رہیں، اور کسی طرف سے کوئی مخالفانہ آواز مجلس شوریٰ میں نہیں اٹھائی گئی۔

بہت زیادہ طول کلامی سے مجھے کام لینا پڑا، لیکن کرتا کیا؟ حضرت کا صحیح تعلیمی نصب العین نگاہوں سے اوجھل ہو چکا ہے۔ سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جب یہی چاہا گیا تھا کہ دینی تعلیم کے بعد جدید علوم اور نئی علمی زبانوں سے استفادہ کا موقع مسلمان بچوں کے لیے فراہم کیا جائے، تو پھر ایسا کیوں نہ ہوا؟ اور تقریباً ایک صدی کی طویل تاریخ میں کوئی ایک "نمونہ" بھی اس تعلیمی نصب العین کے مطابق دیوبند کا دارالعلوم کیوں پیش نہ کر سکا؟ قدیم و جدید علوم و السنہ کے پیوند کی جو مہم آپ سر کرنا چاہتے تھے، افسوس ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا نظام تعلیم اس وقت تک اس کے سر کرنے میں ناکام رہا ہے۔

ہمارے درس نظامیہ کے تدریسی حلقوں میں فلسفے کے نام سے جو کچھ پڑھایا جاتا تھا، وہ اس زمانے میں قطعی طور پر مردہ ہو چکا تھا۔ لیکن ہمارے علما محض موروثی روایات کے زیر اثر اسی مرحوم و مدفون فلسفے کی کتابیں پڑھاتے چلے جا رہے تھے۔ آپ ہی بتایئے کہ طلبہ کا قیمتی وقت اور عمر کا گراں مایہ حصہ ایک ایسے مہمل مشغلے میں جو برباد ہو رہا تھا، اس پر سنجیدہ دماغوں کو جتنا بھی غصہ آئے کم تھا۔ فلسفے کی

© rasailojaraid.com